Majallah-e-Tahqiq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 46 Sr. No.140, 2025 pp 19 - 32

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم ِشرقیہ
جلد ۴۶، شمارہ ۱۴۰، جولائی۔ستمبر ۲۰۲۵ء

آثارِ توقیرؒ پر ایک نظر

☆ڈاکٹر عرفان الحق

Abstract:

"Aasar e Tauqeer" is chapter of "Shaheen e Shah e Lolak" a biography of the Syed Muhammad Tauqeer Ahmad Azhar. This chapter contains his poetry and few articles in Arabic, Punjabi, Urdu and English languages. His poetry includes Hammad, Naat, Ghazals, Poems and Qataat. He was basically a Schollar and worked as an Editor cum Lecturer at the Department of Urdu Encyclopedia of Islam, University of the Punjab, Lahore, till his death in 2007 .Islamic Sufism, Jurisprudence, Research and Criticism were his favorite topics. He didn't like to be introduced as a poet. The overall impression of his poetry also proves him to be a creator who has perfect control over the art of poetry and choice of words, but is not a traditional poet. He was not a court poet but one feels that this poetry is a beautiful expression of his spiritual and inner states. The following article provides an in-depth study of his literary work.

سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ نقشبندیؒ (1969ء۔2007ء) کا تعلق ایک علمی، ادبی اور روحانی خاندان سے تھا۔اُن کے والد گرامی پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہرؔ نقشبندیؒ (1940ء۔2009ء) ایک نام ور استاد، محقق اور صوفی بزرگ تھے۔اُن کے اجداد نہ صرف روحانی اور مذہبی حوالے سے نام ور تھے بلکہ علمی و ادبی حوالے سے بھی اپنے اپنے دور کے علماء، اطباء، حکماء اور اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ نقشبندیؒ (1969ء۔2007ء) اپنے احباب میں سیّد توقیرؒ کے نام سے معروف تھے۔اُن کے والد گرامی پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہرؔ نقشبندیؒ (1940ء۔2009ء) کو احباب بڑے شاہ صاحب کے نام سے یاد

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان وادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

کیا کرتے تھے اسی نسبت سے سیّد توقیر اظہرؒ کو چھوٹے شاہ صاحب کہا جاتا تھا۔ زیادہ تر اُنھیں اسی نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ سیّد توقیر اظہرؒ کے والد گرامی پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر نقشبندیؒ (1940ء۔2009ء)، دادا جان حضرت مولانا سیّد محمد یوسف نقشبندیؒ (1915ء۔1982ء) اور چچا جان پروفیسر سیّد محمد منصور احمد خالد نقشبندیؒ (1943ء۔2009ء) سبھی فنِ شعر گوئی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن کے والد گرامی کا کوئی شعری مجموعہ طبع نہ ہوا مگر آپؒ کا بہت سارا کلام مختلف کتب میں شائع ہو چکا ہے۔ جب کہ اُن کے دادا جان کی اردو مثنوی "عنوانِ تمنا" کے نام سے طبع ہو چکی ہے اور متفرق کلام کئی کتب اور رسائل میں موجود ہے۔ اسی طرح اُن کے چچا جان کا اردو اور پنجابی کلام نہ صرف بہت سارے رسائل میں شائع ہوا بلکہ نصف درجن کے قریب مجموعوں کی صورت میں بھی طبع ہو چکا ہے۔ سیّد توقیر اظہرؒ کا کلام اگرچہ آغاز میں مختلف رسائل میں شائع ہوتا رہا تاہم اُن کے وصال 2007ء تک کسی مجموعے کی صورت میں طبع نہ ہو سکا۔ راقم نے 2016ء میں اُن کی سوانح "شاہینؒ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم" مکمل کی تو اس میں ایک باب کو "آثارِ توقیرؒ" کا عنوان دیا اور اس میں نہ صرف آپؒ کا کلام شامل کیا بلکہ چند مضامین کو بھی جگہ دی۔ یہ مضامین مختلف رسائل میں بھی طبع ہو چکے تھے۔ کتاب کا آغاز سیّد توقیر اظہرؒ کی لکھی ہوئی ایک حمد سے کیا گیا ہے۔ جسے اُنھوں نے قریباً دس سال کی عمر میں نظم کیا تھا۔ یہ حمد یہ اشعار نہایت سادہ مگر پُر اثر ہیں۔ مذکورہ حمد کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں:

مقابل تیرے دوسرا کون ہے
سوا تیرے اپنا خدا کون ہے
حوالے ہو کس کے متاعِ فقر
ہر حال دیدہ کشا کون ہے
کہے حمد میں شعر توقیرؔ نے
تو صاحبِ حُسنِ جزا کون ہے(۱)

عمومی طور پر ایک دس سالہ طالب علم سے ایسے موزوں اشعار کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر خداداد صلاحیتوں کے حامل مادر زاد ولی اللہ سے ایسے افعال کا رونما ہونا کوئی اچنبے کی بات بھی نہیں۔ دوسری طرف اُن کی خاندانی وراثت ان سے ایسے ہی کلام کی متقاضی تھی۔ ربِّ کریم جل جلالہ کی تسبیح کے بیان میں اس ذاتِ

پاک کی قدرتِ کامل پر اظہارِ یقین اور اپنی متاعِ فقر کا تذکرہ یقینی طور پر اُن کی غیر معمولی شخصیت اور صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔حمدِ باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے نعت کی صورت بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ تبریک بھی پیش کیا ہے۔ یہ نعتیہ اشعار بھی اپنے معانی، مفاہیم اور فکر کے حوالے سے فنِ شعر گوئی پر اُن کی کامل دسترس کو ظاہر کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے نعت شریف کے چند اشعار:

ہمارے نبی ﷺ ہیں خدا کے دلارے
ہمارے نبی ﷺ ہم کو جان سے پیارے
بٹی ہے زمانہ زمانہ جہاں میں
دو عالم کی خیرات ان کے دوارے
جلا پائی ہے میری ہمت نے ان سے
بڑھا حوصلہ دل کا ان کے سہار(۲)

فنی اعتبار سے ان نعتیہ اشعار کی ترکیب اور ترتیب با کمال ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی شان کا بیان، آپ ﷺ کی صفات کا بیان اور آپ ﷺ سے براہِ راست فیض یاب ہونے کی بات۔فیض یابی کا یہ ذکر اُن پر حضور اکرم ﷺ کی عنایات کا مظہر بھی ہے اور اُن کی طرف سے اظہارِ تشکر بھی۔ گویا اُنھیں نعت میں اشعار کی تہذیب وترتیب کا ادراک بھی بہ خوبی تھا۔ اسی دس بارہ سال کی عمر میں کہی ہوئی ایک اور نعت شریف میں بھی اسی طرح کا اُسلوب نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

نبیوں کے سردار محمد ﷺ
دو جگ کے مختار محمد ﷺ
اظہرؔ کیسے ہو غمگین
جب کہ ہوں غم خوار محمد ﷺ (۳)

نعت جیسی بڑی صنف کو چھوٹی بحر میں خوبصورتی کے ساتھ سمو دینا کسی بھی شاعر کا شاعرانہ کمال ہوتا ہے جو ہمیں اس نعت شریف میں دکھائی دیتا ہے۔ آغاز میں وہ اپنے والد گرامی سے اصلاح لیتے تھے جس کا اثر ان اشعار میں نمایاں ہے۔ اُن کا ابتدائی کلام حمد و نعت کی صورت میں ملتا ہے۔ گویا بچپن سے ہی شاعری میں اُن کی ترجیع تسبیح الٰہی اور نعت رسول کریم ﷺ جیسی اصناف تھیں۔ گورنمنٹ فارمین کرسچین کالج، لاہور اور پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں تعلیم کے دوران وہ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی (1928ء۔1992ء)

اور پروفیسر احمد عقیل روبیؔ (1940ء۔ 2014ء) سے اصلاح لیتے رہے۔"آثارِ توقیر" میں شامل اُن کی شاعری کو دو تخلیقی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور زمانہ طالب علمی اور دوسرا مرض وصال کا عرصہِ حیات یعنی 2005ء اور 2006ء کے دوران۔ دونوں ادوار کی شاعری میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ پہلے دور کی شاعری میں مذہبی یا روحانی اور جمالیاتی پہلو زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ زندگی کا خوبصورت اور بھرپُور اظہار، رنگ وخوشبو اور بہار کا ذکر، محبوب سے اٹھکیلیاں، دیپک کی روشنی، نغموں کے سُر، موجِ صبا کا ترنم، رفاقت و وفا کے عہد و پیماں، فدایت، فنایت اور وارفتی گویا جدید غزل کے سارے انگ اس شاعری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ اپنے اجداد کی روحانیت اور بزرگی کے ذکر کو بھی وہ کمال ہنرمندی سے جمالیاتی اور رومانوی انداز دے دیتے ہیں۔ اپنے داداجان حضرت مولانا سیّد محمد یوسف نقشبندیؒ (1915ء۔1982ء) کی مدح میں ایک قطعہ یوں پیش کرتے ہیں:

اُن کا چہرہ ہماری آنکھوں میں
صبح رہتا ہے، شام رہتا ہے
دل میں خوشبو سمائی ہے اُن کی
لب پہ اُن ہی کا نام رہتا ہے(۴)

اس قطعے میں اگرچہ اُنھوں نے اپنے جدِّ امجد کی مدح کی ہے مگر ساتھ ہی یہ قطعہ رومانی احساس سے بھی بھرپور ہے۔ جس میں چہرہ، آنکھوں، خوشبو، لب، صبح و شام اور دل جیسے الفاظ شامل ہیں۔ اُن کے عمومی اشعار رنگِ تغزل اور موسیقیت سے مزیّن ہیں۔ جن میں لطافت، نزاکت، تازگی اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ احساسِ محبت و وفا کا اظہار ملتا ہے۔ وہ غزل میں مجاز سے حقیقت اور حقیقت سے مجاز کی طرف رُخ اقبالؒ کے تصور" اِدھر ڈوبے اُدھر اُبھرے، اُدھر ڈوبے اِدھر اُبھرے" کے مصداق برق رفتاری سے کرتے ہیں۔ اُن کی رومانیت کسی نازک اندام حسینہ کے گرد نہیں گھومتی، نہ ہی اُن کے ہاں کسی خاتون محبوبہ کا تصور موجود ہے۔ بلکہ اُن کا رومانس اُن کی روحانیت سے متصل ہے۔ بلاشبہ اُن کی روحانیت ایک مکمل نظام تصوف کے تابع ہے جس میں مجاز وحقیقت، تخیل سے روحانی واردات کے ناقابل تردید احساسات، کیفیات سے حال اور مقام تک کے عروج، مکان ولامکاں، امکان وحقیقت اور وجود وشہود کے اسباق، دوری وقرب، وصل وفراق اور مشاہدہ حق کی گفتگو تک سب کچھ شعری پیرائے کی صُورت میں موجود ہے۔ ملاحظہ کیجیے اُن کی

ایک غزل کا مطلع اور چند اشعار:

ابھی شاید ادھر سے وہ گیا ہے
معطر اُس کی خوشبو سے فضا ہے
بسیرا کر لیا ہے جس نے دل میں
وہ گُل ہے، نور ہے، موجِ صبا ہے
محبت ہو گئی ہے دشمنوں سے
رفاقت کا تری یہ صلہ ہے
ہوا ہے قربتوں میں کب میسر
مزا دوری میں جو ہم کو ملا ہے(5)

اِس غزل کو منقبت کہا جائے، روحانی واردات یا سلوک کا کوئی سبق سمجھا جائے، جس میں رہبر کے کفِ پا کی خوشبو، وجود و شہود، وصل و فراق اور زمان و مکاں کے رموز کو انتہای سادگی اور روانی کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ سیّد توقیر اظہرؒ کی من جملہ تمام غزلوں میں ہمیں یہی اُسلوب نظر آتا ہے۔ وہ عشق مجازی کے قائل ہی نہیں تھے۔ عشق حقیقی کو جب اشعار کی زینت بناتے ہیں تو منقبت جیسی معطر غزل وجود میں آتی ہے۔ اُن کی غزل میں وفا اور باہم پیوستگی، ادب و احترام، یاس و اُمید اور اوصافِ حمیدہ جیسے مضامین نمایاں نظر آتے ہیں۔ سیّد توقیر اظہرؒ کی غزل میں ایک اور نمایاں خوبی تلمیحات کا استعمال ہے۔ ہر شعر کے پس منظر میں ایک پوری داستان اور قصہ موجود ہوتا ہے۔ جیسے آغاز میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ روایتی شاعر نہیں تھے بلکہ فنِ شعر گوئی پر اُن کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ کسی بھی ذاتی یا دیکھے ہوئے واقعے کو فطری شعری روپ دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اُن کے والد گرامی اپنے جدِّ امجد حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ (1895ء۔1961ء) کے خلیفہ اعظم اور ان کی درگاہ کے متولی تھے۔ لیکن اس ضمن میں قریبی عزیزوں نے درگاہ کو ذاتی جائیداد کے طور پر تقسیم کرنے کے لیے عدالت میں مقدمات دائر کر دیے۔ یہ درگاہ گجرات شہر میں تھی جب کہ اُن کے والد گرامی لاہور شہر میں مقیم تھے۔ اس لیے ہر پیشی پر اُنھیں لاہور سے گجرات جانا پڑتا تھا۔ اس سارے معاملے میں سیّد توقیر اظہرؒ کے معمولات اور تعلیم بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ کیوں کہ تمام تر عدالتی کارروائی کے لیے اُنھیں ہی جانا پڑتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ قریبی عزیز جو کبھی اُنھیں آنکھوں پہ سجائے پھرتے تھے، جان کے دشمن ہو گئے۔ سیّد توقیر اظہرؒ کے ہمراہ راقم کو بھی کئی برس تک ان عدالتی

پیشیوں پر حاضری کا اتفاق ہوا۔اسی ضمن میں اُنھوں نے راقم کو بتایا:

ایک دن میں گجرات اور گوجرانوالا میں عدالتی پیشی کے بعد جب گھر آیا تو بہت تھکا ہوا تھا اور روز روز کی ان پیشیوں سے بہت تنگ آچکا تھا۔ میں نے اباجان سے کہا کہ میں آیندہ کسی پیشی پر نہیں جاؤں گا۔ ان عدالتی معاملات نے میرے سارے معمولات متاثر کر دیے ہیں۔ یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسی رات میں نے خواب میں اپنے والدگرامی کے باباجان حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ کو دیکھا۔ وہ زخمی تھے اور اُن کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔اُنھوں نے فرمایا مجھے یہ تکلیف ان لوگوں نے پہنچائی ہے۔ اگلی صبح میں نے اپنا خواب اباجان کو سنایا تو اُنھوں نے فرمایا میں نے باباجی کی روح مبارک کی خدمت میں عرض کیا تھا تو قیر احمد یہ کہتا ہے تو وہ میرے پاس سے تمھارے کمرے میں تشریف لے گئے۔(۶)

اُنھیں بچپن سے ہی اپنے بزرگوں کی ارواح سے ایک خاص نسبت حاصل تھی۔ خاص طور پر تین ہستیوں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (699ء۔767ء)، حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقدر جیلانیؒ (1078ء۔1166ء) اور قطب الارشاد حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ (1895ء۔1961ء) سے بہت زیادہ روحانی قربت حاصل تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب بھی میرا دل مکدّر رہوتا تو توبہ استغفار کرنے سے مجھے قربت الٰہی کا بہت زیادہ احساس ہوتا تھا۔ وہ ان ارواح کو ہمیشہ اپنے قریب محسوس کرتے تھے جیسا کہ حسبِ ذیل اشعار میں ظاہر ہے:

کبھی یک جاں دو قالب کی صُورت
کبھی صدیوں کا ہم میں فاصلہ ہے
ہوا ہے مہرباں ہم پر وہ اظہرؔ
حقیقت ہے کہ یہ کوئی ادا ہے(۷)

اسی طرح ایک اور شعر میں اُنھوں نے اپنے جدّامجد حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ (1895ء۔1961ء) سے عقیدت کا اظہار اس انداز میں کیا ہے:

اُنھیں دیکھا ہے اس طرح کہ جیسے
اُن ہی کے پاس میں ہر دم رہا ہوں(۸)

غزلوں کے علاوہ اُن کی نظموں میں بھی زندگی کا بھرپور تجربہ اور امنگوں کا لازوال اظہار جابجا دکھائی دیتا ہے۔اُن کے پاس معصومیت، پاکیزگی اور نفاست کا احساس موجود ہے۔ وہ ہر صورت اور ہر

قیمت اچھائی اور نیکی کے راستے پر کار بند نظر آتے ہیں۔ اخلاقیات اور اچھے اوصاف اختیار کرنے میں وہ اپنے بزرگوں خاص طور پر والد گرامی سے بہت متاثر تھے اور اُن کو ہی اپنے لیے مثال مانتے تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے راقم سے کہا: مجھ میں جو بھی اچھی باتیں ہیں وہ میرے والد گرامی کی وجہ سے ہیں اور جو کمیاں ہیں وہ میری اپنی وجہ سے ہیں۔ حال آں کہ احباب نے ہمیشہ اُنھیں ایک مثالی انسان کے روپ میں جانا اور پہچانا ہے۔ اُن کے ایسے ہی احساسات حسبِ ذیل اشعار میں واضح ہیں:

جھڑتے ہیں حسین پھول مرے منہ سے برابر
گویا تیرے اوصاف میں، ہوتا ہوں جب بھی
اظہرؔ میرے اشعار کے جل اُٹھتے ہیں دیپک
اس بزم میں، میں نغمہ سرا ہوتا ہوں جب بھی(۹)

سیّد توقیر اظہرؔ کے ہاں اعلیٰ رومانوی احساس اپنی تمام تر خوبی اور خُوب صُورتی کے ساتھ میسر ہے۔ رومانیت خوشی اور شادمانی کا نام ہے اُداسی اور مایوسی کا نام نہیں۔ سیّد توقیر اظہرؔ اس احساس کو الفاظ کا رُوپ دے کر واضح کرتے ہیں تو کسی حُور یا پری صفت محبوبہ کی تصویر نمایاں نہیں ہوتی بلکہ پاکیزگی، بزرگی اور روحانیت کا تصور اُجاگر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

یا خوشبو ہیں یا نغمات
اُس کی آمد کے اوقات
شہنائی سی گونج اُٹھی
اُس نے کہی تھی کوئی بات(۱۰)

سیّد توقیر اظہرؔ محبت کے قائل تھے۔ اُن کے پاس ایک خُوب صُورت اور بے پناہ محبت کرنے والا دل تھا۔ اُن کا نظریہ محبت بھی اُن کی شخصیت کی طرح شفاف اور پاکیزہ محسوس ہوتا ہے۔ وہ ہوّس اور محبت کے فرق کو بہ خُوبی سمجھتے تھے۔ اُنھیں دنیا داروں کے مفادات اور دنیاوی اغراض کے باہمی تعلق کا ادراک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ محبت سے متعلق دوٹوک موقف رکھتے تھے۔ حسبِ ذیل نظم میں یہ موقف واضح ہوتا ہے:

محبت لین دین کا نام نہیں ہے
محبت تو دینے اور معاف کرنے
اور پیہم وابستہ رہنے کا نام ہے(۱۱)

اُنھوں نے بزرگوں کی مدح سرائی کو ایک نئی جدت عطا کی تھی۔عمومی طور پر مناقب میں بزرگانِ دین کی تعریف، ان کے اوصاف، کرداری خوبیوں، کرامات، تعلیمات اور استغاثہ کا بیان شامل ہوتا ہے۔ سیّد توقیر اظہرؒ نے اس کے برعکس ادب، محبت، شفقت، جودوسخا اور عطا کے بیان کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔جس سے منقبت کے حسن اور اندازِ تکلم کو نئی جہت ملی ہے۔ لہجے کی شوخی کے باوجود اُن کا انداز والہانہ، گفتار مودبانہ اور اُسلوب عاجزانہ ہے۔ملاحظہ ہو:

شہِ یوسفؒ تیری تعریف کیا ہو
کہ ہم کو تو پسند آیا بہت ہے
کڑی اس دھوپ میں تیرے شجر کا
جو مل جائے ہمیں سایہ بہت ہے
دلِ توقیرؔ کا ہر ایک گوشہ
تری سیرت نے مہکایا بہت ہے(۱۲)

ابھی پنجاب یونیورسٹی میں تعینات ہوئے چار برس ہی ہوئے تھے کہ عین عالم شباب میں اُنھیں ریکٹم کا کینسر تشخیص ہوا جس کا شوکت خانم کینسر ہسپتال لاہور میں فروری 2007ء تک علاج ہوتا رہا۔کئی آپریشن ہوئے مگر مرض بڑھتا رہا اور آخر کار لاعلاج قرار دے دیا گیا۔اس طرح 28 جون 2007ء کی شب وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔اُن کے والد گرامی نے وجہ وصال بیان کرتے ہوئے لکھا:

میں نے اپنی تمام نعمت اور مقاماتِ سلوک سیّد محمد توقیر احمدؒ کو منتقل کر دیے تھے۔اور اسے سلسلہ اور اہل سلسلہ کے تیار کیا تھا۔مگر حاسدین اور معاندین نے میرے وارث کو گوارا نہ کیا شدید سحر اور جادو کا شکار بنایا۔اور یہ جوان رعنا جو صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے اڑھائی سال بیمار رہ کر عالم فانی کو ترک کر کے عالم جاودانی کو روانہ ہو گیا۔(۱۳)

راقم کو اس عرصہ علالت میں شب و روز اُن کی تیمارداری کی سعادت حاصل ہوئی۔اس دوران اُنھوں نے اپنا ماضی خوب کھنگالا۔ایک دن کہنے لگے میں نے اپنے ماضی پر بار بار غور کیا ہے۔میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں نے اپنی ساری زندگی نہ کسی کا بُرا چاہا ہے اور نہ کسی کا بُرا کیا ہے۔لیکن وہ حضرت علی کے قول ”جس کے ساتھ نیکی کرو اُس کے شر سے بچو“ کے مطابق جن سے ساری زندگی نیکی کرتے رہے اُن کے شر سے بچ نہ پائے۔اُن کے قریبی ترین رشتہ داروں نے ارشاد ”الاقارب کالعقارب“ کو خوب سچ کر دکھایا۔آثارِ

توقیرؔ تصوّرِ توقیرؔ کو ہی بیان نہیں کرتے تصویرِ توقیرؔ کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ساری زندگی علمی ادبی کاموں اور مثبت سرگرمیوں میں بھرپور حصّہ لیا تھا۔ اُن کی زندگی کا ایک ایک پَل بھرپور اور ان تھک تھا۔ علالت کے دوران کچھ آرام کا موقع ملا تو ماضی کی یادوں نے آن گھیرا۔ حقائق سے پردا اُٹھا تو پتا چلا اپنوں نے ہی ستایا ہے۔ دشمنی کا حق خُوب قرینے سے نبھایا ہے۔ آستین میں بیٹھ کر ڈسا ہے۔ پھر یاد آیا یہ کام اُنھوں نے پہلی بار نہیں کیا۔ وہ تو عادی مجرم تھے۔ اُنھوں نے اجداد کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا۔ حقیقت شناسی کے بعد کچھ شعر موزوں کیے اور خاموش ہو گئے۔ ملاحظہ کیجیے ایک مثال:

مجھے میرے دادا اور والد گرامی کے پالے ہوئے
سانپوں اور ان کے کچھ بچوں کو پالنے کا شغل
ایک اچھی روایت کے طور پر ملا
میں نے بھی سانپوں کو پالا
اور اُن کو خوب کھلایا پلایا
جب وہ سانپ بڑے ہوئے
تو اُنھوں نے مجھے خوب ڈسا (۱۴)

وہ بلند خیالات کے حامل شخص تھے ہمیشہ ذاتی فائدے کی بہ جائے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ معاشرتی مسائل اور قومی صورتِ حال پر اُن کی گہری نظر تھی۔ وہ ایک نظریاتی شخصیت تھے۔ وہ معاملات اور حالات کو بھی اسی نظریے کے تناظر میں دیکھتے تھے۔ اُن کا یہ نظریہ نہ تو زمان و مکان میں مقیّد تھا اور نہ ہی موت و حیات کے وجود سے متغیّر۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مرض وصال میں بڑے پُراُمید تھے۔ لیکن حالات نے اُنھیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

آہ کرتے ہیں، واہ کرتے ہیں
زندگی سے نباہ کرتے ہیں (۱۵)

ان کی شاعری کا ایک پہلو سماجی نوعیت کا ہے۔ جس میں اُنھوں نے لوک دانش کو بیان کیا ہے۔ زندگی کے عالم گیر مسائل اور معاملات کو سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کے لیے تفریحِ طبع کے ساتھ ساتھ اسباقِ زندگی کی بہتات میسر ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

صبح کا بھولا

شام کو واپس گھر آئے تو
کچھ مت کہنا
شام کو واپس لوٹ آئے تو
مت کہنا کہ
وہ بھولا ہے
کچھ تو اُسے یاد رہا ہے
بھولا ہوتا تو
پھر واپس کیسے آتا (۱۶)

ایسی کئی نظمیں ہمیں اُن کے کلام میں موجود ہیں جن میں سماجی مسائل کا ادراک، دانش گوئی اور اسباقِ حیات شامل ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ایک اور نظم:

گاڑی چھوٹ جائے تو
دوسری مل جاتی ہے
مگر جب منزل چھوٹ جائے تو
پھر گاڑیاں ڈھونڈنے کا فائدہ کیا ہے؟ (۱۷)

جیسا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اُنھیں اپنے والد گرامی سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ اپنے والدِ گرامی سے انتسابِ بیعت بھی رکھتے تھے۔ طریقت کا یہ تعلق محض ادب، محبت اور عقیدت کا تھا۔ جس کا اظہار اُنھوں نے اپنے کلام میں جا بہ جا کیا ہے۔ جیسے اس نظم میں بیان کرتے ہیں:

اُس کی لَو میں
پڑھ لیتا ہوں
لکھ لیتا ہوں
جیسے تیسے
جی لیتا ہوں (۱۸)

ہمارے ہاں ٹیکنالوجی کے زیادہ استعمال نے جذبات اور احساسات کو بڑی ٹھیس پہنچائی ہے۔

ایک وقت تھا جب زبان سے کہی ہوئی بات ایک ایسا اَن مِٹ عہد اور پیمان بن جاتی تھی جسے پورا کرنا ایمان کا حصّہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ ہماری اقدار تھیں۔ یہ ہمارا فخر تھا۔ مگر زمانے کی ڈگر نے سب سے زیادہ نقصان ہماری اقدار اور ثقافت کو پہنچایا ہے۔ یہ ہر دوسرے بندے کی کہانی ہے جسے سیّد توقیر اظہرؒ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

اُس نے مجھ کو وقت دیا تھا
اور کہا تھا فون کروں گا
جاگتے رہنا!
ساری رات گزاری میں نے
لیکن اس کا فون نہ آیا
میں نے گا ہے فون کیا تو
میسج آیا
فون بزی ہے!(۱۹)

روایتی شاعری میں شعراء کے ہاں عربی، فارسی الفاظ، تراکیب، محاورات اور ضرب الامثال کا استعمال بھرپور ہوا کرتا تھا۔ پھر زمانے نے رُخ بدلا۔ مغربی ادبی تحریکوں کا اثر مقامی زبانوں میں کی جانے والی شاعری میں نظر آنے لگا۔ مغربی الفاظ اور تراکیب بھی شاعری کا حصّہ بننے لگیں۔ سیّد توقیر اظہرؒ اسلامی صوفیانہ روایت کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ مگر جدید علوم تک اُن کی دسترس نے اُنھیں شاعری میں انگریزی الفاظ و انداز کو اپنانے میں خاصی مدد کی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا نظم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سیّد توقیر اظہرؒ چوں کہ صوفی ازم سے براہِ راست جُڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اُن کے پاس زندگی کا ہر رنگ اور ہر تجربہ موجود تھا۔ اُن کے نزدیک موت وحیات کی حقیقت محض تبدیلی مکاں کی تھی۔ اس لیے جان لیوا مرض کی موجودگی کے باوجود اُن کی اُمید اور زندہ دلی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ جب تک جاتے رہے خود کو قائم رکھنے کا جتن کرتے رہے۔ اُنھوں نے آخری سانس تک زندہ دلی اور زندگی کو مایوسی سے محفوظ رکھّا تھا۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل اس کا اظہار اُنھوں نے اپنی حسبِ ذیل نظم میں یوں کیا:

چلو آؤ محبت کا نیا آغاز کرتے ہیں!

جو باتیں بھولی بسری ہیں
اُنھیں پھر سے یاد کرتے ہیں!
جو روز و شب گزرے ہیں
اُن ہی میں جا کے رہتے ہیں!
اُنھیں آباد کرتے ہیں
چلو آؤ محبت کا نیا آغاز کرتے ہیں!(۲۰)

سیّد توقیر اظہرؒ کی طبیعت میں درویشی کا عنصر بے انتہا تھا۔ وہ حقیقت میں ایک گوشہ نشین درویش تھے۔ جنھوں نے اپنی درویشی کی ہر طور حفاظت کی اور اسے بازار کا بکاؤ مال بننے سے محفوظ رکھا۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے مگر اُنھوں نے اپنی شاعری کو اپنی نام وری کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ ایک حساس انسان تھے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی دل پر محسوس کرتے تھے۔ وہ بہت اعلیٰ ظرف کے مالک تھے۔ دوسروں کی ہر ناگوار حرکت کو خاموشی سے برداشت کر جاتے تھے۔ انتہائی شریف النفس تھے۔ اپنے پیشوائے گرامی کے سچے عقیدت مند اور اللہ و رسول ﷺ کے سچے عاشق تھے۔ اُن کی نگاہ دور رس تھی۔ اُن کا تخیل بلا کا تھا۔ اُن کے حافظے میں الفاظ کا بے کراں ذخیرہ موجود تھا۔ اُن کا لاشعور اُن کے شعور سے مستفیض تھا۔ اُن کا الہام اُن کے ادراک سے متصل تھا۔ اُن میں حساسیت تھی، خودی اور خودداری تھی، انا نام کو نہ تھی۔ اُن کی شخصیت مکمل اور مفصل تھی، منضبط تھی۔ اُن کا انضباط اُن کے اشعار میں نمایاں ہے۔ اُن کا کام باقی رہنے والا ہے۔ اُن کا نظریہ قائم رہنے والا ہے۔ وہ گوشہ نشین تھے۔ خاموش طبع تھے۔ مگر خدا اپنے بندوں کو جس پر چاہے عیاں کر دے جس کو چاہے اُن کا شعور عطا کر دے۔ اُن کا کلام تہ در تہ مفاہیم و معانی کے لبادے میں محفوظ ہے۔ جنھیں وقت کا محقق آشکار کر سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ حضرت سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ نقشبندیؒ۔ حمد مشمولہ شاہینؒ شہِ لولاک ﷺ، ذکری فاؤنڈیشن ٹرسٹ، لاہور، 2016ء، ص1

2۔ ایضاً، ص2

3۔ ایضاً، ص3

4۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ قطعہ مشمولہ ہفت روزہ آئینہ حضرت فاروقِ طریقتؒ نمبر، گجرات، 21 جون 1993ء، ص9

5۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ غزل مشمولہ فولیو، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور، 1989ء، ص253

6۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ ذاتی گفت گو، لاہور، دسمبر 2006ء

7۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ غزل مشمولہ فولیو، ص253

8۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ شعر مشمولہ وسیلہ نجات، ذکری فاؤنڈیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، لاہور، 2007ء، ص42

9۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ غزل مشمولہ فولیو، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور، 1985ء، ص243

10۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ غزل مشمولہ المیزان، پنجاب یونیورسٹی لاء کالج، لاہور، 1992ء، ص119

11۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم "محبت" مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک ﷺ، ص173

12۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ منقبت مشمولہ فاروقِ طریقتؒ، حبیب اکیڈمی، گوجرانوالا/ گجرات، 1990 ص54

13۔ حضرت پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہرؔ نقشبندیؒ۔ حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندیؒ کا سفرِ بغداد شریف، ذکری فاؤنڈیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، لاہور، 2009ء، ص251

14۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”سانپ“ مشمولہ شاہینِ۔ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 179

15۔ ایضاً، ص 170

16۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”کچھ مت کہنا“ مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 190

17۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”منزل“ مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 189

18۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”جی لیتا ہوں“ مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 190

19۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”فون بزی ہے“ مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 187

20۔ سیّد محمد توقیر احمد اظہرؔ۔ نظم ”محبت کا نیا آغاز کرتے ہیں“ مشمولہ شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص 191

کتابیات

Bibliography

1. Farooq e Tariqat, Prof. Syed Muhammad Kabir Ahmad Mazhar, Habib Academy Gujranwala, 1990.
2. Hazrat Khaja Mahboob Alam Naqashbandi ka Safar e Baghdad Sharif, Syed Muhammad Kabir Ahmad Mazhar, Zikra Foundaion Trust(Redg⁘(.Lahore, 2009.
3. Shaheen e Shah e Lolak, Dr. Muhammad Irfan ul Haq, Zikra Foundation Trust(Redg⁘(Lahore, 2016.
4. Wasilah e Najat, Prof. Syed Muhammad Kabir Ahmad Mazhar, Zikra Foundation, Trust(Redg⁘(.Lahore, 2007.
5. Al-Mezan, Punjab University Law College, Lahore, 1992.
6. Folio Megzine, Govt. FC College, Lahore, 1985.
7. Folio Megzine, Govt. FC College, Lahore, 1989.
8. Haft Roza Aiena, Gujrat, 1992.
9. Interview, Syed Muhammad Tauqeer Ahmad Azhar, Lahore, December 2006.